ایران میں چند روز

(۴)

سعید احمد اکبرآبادی

دوسرا دن یعنی ۲۶ مارچ ایران میں قیام کا آخری دن تھا اور اسی کو کچھ خرید و فروخت اور کچھ ملاقاتوں کے لئے مخصوص رکھا تھا۔ اس لئے حسبِ قرارداد صبح ناشتہ کے بعد ہی معتمدی آگئیں اور میں ان کے ساتھ طہران یونیورسٹی گیا۔ یونیورسٹی تو بند تھی لیکن میری ایک عزیزہ طاہرہ صدیقی جو فارسی میں ایم اے ہیں ایران گورنمنٹ کے وظیفہ پر یہاں پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہی ہیں ان سے ملنا ضروری تھا۔ اس لئے معتمدی مجھ کو سیدھا ہوسٹل میں لے کر آئیں۔

تہران یونیورسٹی میں قاعدہ ہے کہ تعطیلات کے زمانہ میں کوئی طالب علم ہوسٹل میں قیام نہیں کر سکتا لیکن بیرونی ممالک کے طلباء اور طالبات اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اس بنا پر یونیورسٹی اور اس کے ہوسٹل ہر جگہ سناٹا اور خموشی کا عالم تھا۔ کہیں دو چار نوکر اِدھر اُدھر چلتے پھرتے اور کام کرتے نظر آتے تھے۔ بہرحال ہم ہوسٹل میں داخل ہوئے ہی تھے کہ دہلی یونیورسٹی کے مسٹر محمد اظہر جو یہاں طاہرہ کی طرح ایران گورنمنٹ کے وظیفہ پر پی۔ ایچ۔ ڈی کر رہے ہیں باہر برآمدے میں ہی ایک کرسی پر بیٹھے نظر آگئے۔ مجھ کو ان کے پہچاننے میں کچھ تامل ہوا لیکن انھوں نے فوراً پہچان لیا۔ بڑے تپاک اور اشتیاق سے ملے۔ انھوں نے ہی طاہرہ کو اطلاع کر دی تو وہ بھی دو تین منٹ میں آگئیں۔ اس ہوسٹل میں اور اس کے علاوہ بعض دوسرے ہوسٹلوں میں چند اور لڑکیاں میری واقف کار تھیں۔ طاہرہ نے ان سب کو فون کر دیا اور پانچ چھ منٹ کے اندر اندر چھ سات لڑکیاں اور پہنچ گئیں۔ ان میں روشن آرا، نزہت، شمیم اور ایک ترک لڑکی

صائمہ، میری بچیوں مسعودہ[51] اور ریحانہ[52] کے ساتھ کی کلکتہ یا علی گڈھ کی تعلیم یافتہ اور ان کی سہیلیاں ہیں ان کے ساتھ دو تین لڑکیاں اور تھیں جن سے میں پہلے سے واقف نہیں تھا۔ غرض کہ تھوڑی سی ہی دیر میں بڑا اچھا مجمع ہو گیا۔ ان سب بچیوں کو بھی ایسی خوشی ہوئی کہ گویا ان ہی کے خاندان کا کوئی بزرگ آ گیا ہے۔ طاہرہ نے کہا: ہم نے چند روز ہوئے آپ کو مشہد یونیورسٹی میں مقالہ پڑھتے ہوئے ٹیلی ویژن پر دیکھا تھا اور اسی سے آپ کی آمد کا علم ہوا تھا لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ طہران کب پہنچ رہے ہیں اور یہاں آئیں گے تو کہاں ٹھہریں گے۔ اس لئے سخت پریشانی تھی کہ دیکھئے ملاقات ہوتی بھی ہے یا نہیں۔ ہم بات چیت کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں ذرا فاصلے پر ایک سن رسیدہ بزرگ کمرہ سے باہر نکل کر ایک طرف کو جاتے ہوئے نظر آئے۔ میاں اظہر نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ مشہور مستشرق ایوناف (IVANOV) ہیں۔ میں ان کے نام اور کام سے واقف تھا۔ فوراً لپک کر ان کی طرف بڑھا۔ اظہر نے ان سے میرا تعارف کرایا۔ موصوف اصلاً و نسلاً روسی ہیں لیکن شروع میں ہی برطانیہ کی رعایا بن گئے تھے۔ فارسی زبان اور ادب کے نامور محقق ہیں۔ اس کے علاوہ عربی کے عالم اور لاطینی، یونانی اور سنسکرت سے بھی خوب واقف ہیں۔ عرصہ تک ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے وابستہ رہے ہیں۔ ان کا خاص تحقیقی کام اسماعیلی مذہب اور اس کی شاخوں اور شعبوں پر ہے۔ اب اِدھر کم و بیش دس برس سے تہران یونیورسٹی میں مقیم ہیں۔ اس وقت ان کی عمر اسی برس سے کیا کم ہو گی۔ کمر میں خمیدگی پیدا ہو گئی ہے اور کمزور بہت ہو گئے ہیں۔ ایسی مشہور نامور شخصیت سے یہ چار پانچ منٹ کی ملاقات ہی میرے لئے بہت تھی۔ افسوس ہے کہ ہندوستان میں واپس آنے کے چار مہینے کے بعد یعنی جولائی ۱۹۷۰ء میں ان کی وفات کی خبر بھی سن لی۔

مسٹر ایوناف سے ملاقات کر کے واپس آیا ہی تھا کہ دیکھا میز پر نہایت مکلف ناشتہ کافی

---

[51] زوجۂ مسٹر ابو المحمود سعید منیجنگ ڈائرکٹر جلیانا لٹریچ لمیٹڈ۔ مشرقی پاکستان۔

[52] اہلیہ ڈاکٹر شیخ اسلم پروفیسر شعبۂ تاریخ۔ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور۔

اور چائے دونوں کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ تعجب بھی ہوا کہ یہ سب اس قدر جلد کیسے ہو گیا۔ لیکن طاہرہ بی بی نے کہا: ہمارے لئے ہاں باورچی خانہ کا تمام سامان برقی ہے اور چیزیں ہر قسم کی اسٹور میں رہتی ہی ہیں اس لئے بہت سے لوگوں کی پُر تکلف دعوت کا انتظام منٹوں میں ہو سکتا ہے۔ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں! ناشتہ اور گفتگو سے فراغت کے بعد میں نے کہا کہ چونکہ آج ہی واپسی ہے اس لئے کچھ خرید و فروخت کرنا اور بازار جانا ہے تو طاہرہ اور شمیم بھی ساتھ ہو گئیں۔ ایک ٹیکسی میں یہ دونوں اور معتمدی اور میں ہم چاروں فروش گاہ فردوسی آئے اور دو تین گھنٹے اس میں گشت کرنے کے بعد طاہرہ بی بی اور معتمدی کی رہنمائی میں چند چیزیں خریدیں۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ ایران میں نہایت عمدہ قسم کا بڑا اور بھنا ہوا پستہ ہمارے سکہ کے حساب سے سات روپے کیلو اور خالص زعفران سولہ روپے تولہ ملتی ہے۔ اب ان کا مقابلہ اپنے ملک کی قیمتوں سے کیجئے اور سیکولرزم اور جمہوریت اور سوشلزم اور عوامی و فلاحی حکومت جیسے دلفریب نعروں کے نام کی مالا جپئے: چیزیں اس قدر سستی اور پھر مجال ہے کہ کوئی شخص کھانے پینے کی چیزوں میں کسی قسم کی کوئی ملاوٹ کر سکے۔ پستہ اور زعفران کے علاوہ یہاں خاص چیزیں دو اور ہیں ایک فیروزہ اور ساتھ ہی عقیق اور یاقوت۔ اور دوسرا پلاسٹک کا ڈنر سٹ یہ ڈنر سٹ نہایت نازک حسین اور ساتھ ہی مضبوط ہوتا ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ ہم لوگوں کو زر تبادلہ (EXCHANGE) ہی کتنا ملتا ہے۔ اس لئے فیروزہ کو مستثنیٰ کر کے طبیعت کی وسعت کے مطابق تھوڑی بہت یہ سب اور کچھ اور چیزیں خریدیں۔ معتمدی اور طاہرہ بی بی اپنا اپنا پرس کھول کر اصرار کرتی رہیں کہ جتنی ضرورت ہو روپیہ ہم سے لے لیجئے۔ لیکن میں نہ مانا اور ان کی پیش کش قبول نہ کی۔ اب بازار میں پھرتے پھرتے تکان ہو گیا۔ اور وقت بھی کافی ہو گیا تھا اس لئے طاہرہ اور شمیم مغرب کے بعد میرے ہوٹل میں آنے کا وعدہ کر کے ایک ٹیکسی میں اپنے ہاسٹل روانہ ہوئیں اور میں اور معتمدی سامان لے کر ایک اور ٹیکسی میں ہوٹل پہنچے۔

اب تک میں عزیزہ معتمدی کے گھر جا کر ان کی والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا تھا۔ اس لئے میں نے ہوٹل پہنچ کر آنعزیزہ سے کہا کہ وہ سہ پہر میں چار بجے کے قریب آجائیں اور مجھے

اپنے گھر لے چلیں۔ چنانچہ حسب قرارداد ٹھیک چار بجے وہ ہوٹل پہنچ گئیں اور میں ان کے ساتھ ٹیکسی میں روانہ ہوا۔ اب سب سے زیادہ دلچسپ اور سننے کے قابل بات یہ ہے کہ میں نے معتمدی سے کہا کہ مجھ کو ان کی والدہ صاحبہ کے لئے ایران کے دستور کے مطابق پھولوں کا ایک بہت اچھا گلدستہ خریدنا ہے اس لئے مکان سے پہلے پھولوں کی جہاں اچھی اور بڑی دکان ہو ہمیں اتر جانا چاہئے۔ انھوں نے کہا آپ فکر نہ کیجئے۔ میں آپ کو ایک عمدہ اور قیمتی تحفہ خرید کرا دوں گی۔" چنانچہ مکان سے دس بارہ قدم پہلے ہم ٹیکسی سے اتر گئے اور معتمدی مجھ کو لے کر کپڑے کی ایک بڑی دکان میں گھس گئیں اور مختلف ڈیزائن اور رنگوں کے کپڑے دیکھنے کے بعد ایک اچھا باوضع کپڑا پسند کر کے اس میں سے دس گز کپڑا طلب کیا جس کی قیمت چالیس روپے تھی۔ اب میں نے ہر چند اصرار کیا کہ قیمت میں ادا کروں گا لیکن معتمدی ایک نہ مانیں اور قیمت کی ادائگی انھوں نے ہی کی۔ جب مکان کا دروازہ آیا تو انھوں نے کپڑا میرے ہاتھ میں دے دیا کہ میں اپنی طرف سے والدہ کی خدمت میں پیش کر دوں۔ جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ اس عزیزہ نے ٹیکسی کا کرایہ تو ایک مرتبہ بھی مجھ کو کہیں ادا نہیں کرنے دیا تھا۔ یہ کپڑے کا معاملہ سمند ناز پر ایک اور تازیانہ ہوا۔

اب میں مکان میں داخل ہوا تو معتمدی کی والدہ محترمہ نے مسکراتے ہوئے اور اپنی زبان میں ترحیب کے کلمات کہتے ہوئے دروازہ پر استقبال کیا اور مجھے لے کر ڈرائنگ روم میں آگئیں۔ مکان اگرچہ بڑا نہیں ہے لیکن نہایت صاف ستھرا اور ایرانی ذوق کے مطابق آراستہ و پیراستہ، قیمتی قیمتی قالین، فرش کا کیا ذکر۔ دیواروں تک پر ٹنگے ہوئے قالین پر صوفہ سٹ اعلیٰ قسم کا۔ اسکے ایک طرف میز پر تاج محل کا ایک بڑا ماڈل جو معتمدی آگرہ سے خود لائی تھیں مع روشنی کے۔ دوسری جانب کونہ میں رنگ برنگ کی خوبصورت مچھلیوں کا بکس۔ ادھر ادھر کتابوں کی ہلکی پھلکی خوب صورت المارییاں، ایک سمت میں قسم قسم کے کھلونوں سے بھری ہوئی شیشہ کی الماری۔ دیوار پر حافظ۔ خیام اور خود عزیزہ معتمدی کے اشعار کے کتبے آویزاں۔ ایک گوشہ میں ٹیلی وژن۔ پھولوں کے گملے دروازوں پر منقش اور خوب صورت پردے۔ سردی کا موسم تھا اس لئے ہیٹر بھی موجود۔ والدہ محترمہ کی عمر

ساٹھ کے پیٹے میں ہوں گی لیکن ایران کے نسوانی حسن و شرافت اور نیکی و پاکیزگی کا اعلیٰ نمونہ، ابھی عصر کی نماز سے فارغ ہو کر مصلے پر سے اٹھ کر آئی تھیں اس لئے تسبیح ہاتھ میں اور انگلیاں مصروف سبحہ گردانی تھیں یہاں اس وقت ان کے ایک عزیز بھی موجود تھے جو قاری تھے۔ ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بعد آنمحترمہ نے ان سے قرأت کی فرمائش کی اور انھوں نے سورۂ رحمٰن کی تلاوت کی۔ تین چار برس ہوئے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے اس لئے بیوگی کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ میں یہاں کم و بیش ایک گھنٹہ بیٹھا ہوں گا بس برابر یہ محسوس ہوتا رہا کہ اپنی حقیقی بہن کے پاس بیٹھا ہوں۔ جب رخصت ہونے لگا تو میری اہلیہ اور بچیوں کے لئے تحفہ تحائف کا ایک بڑا سا بنڈل میرے ساتھ کر دیا۔

یہاں سے رخصت ہو کر میں اور معتمدی ہوٹل آئے۔ مغرب کی نماز سے فراغت کے بعد میں ہوٹل کے لانج میں بیٹھا تھا کہ ایران کے مشہور فاضل اور محقق پروفیسر محمد تقی دانش پژوہ جو تہران یونیورسٹی کی لائبریری کے مخطوطات کی کیٹلاگ تیار کر رہے ہیں، آ گئے۔ وہ دراصل ڈاکٹر صلاح الدین سے ملنے آئے تھے لیکن مجھ کو بھی ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہو گیا۔ خاموش اور کم سخن مگر بڑے فاضل شخص ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد حسب وعدہ طاہرہ اور شمیم پہنچ گئیں۔ میں ان کو اور معتمدی کو لے کر اپنے کمرہ میں آیا اور یہ تینوں میرا رخت سفر باندھنے اور اسے پیک کرنے میں لگ گئیں۔ کتابوں اور کاغذات کا ایک انبار جمع ہو گیا تھا، اور دوسرے سامان کے ساتھ ان کا جانا دشوار تھا۔ اس لئے خالص علمی اور تحقیقی کتابیں جو میرے مذاق کی تھیں وہ رکھ لیں باقی سب کتابیں ان تینوں پر تقسیم کر دیں۔ ہاسٹل کے قواعد و ضوابط کے ماتحت طاہرہ اور شمیم مغرب کے بعد زیادہ دیر تک باہر رہ نہیں سکتی تھیں اس لئے میں نے ان کو خدا حافظ کہا اور رخصت کر دیا۔ ہم کو گیارہ بجے پرواز گاہ تہران کے لئے ہوٹل سے روانہ ہونا تھا اس لئے میں نے عزیزہ معتمدی سے بھی کہا کہ وہ گھر چلی جائیں لیکن وہ نہ مانیں۔ ان کا اصرار تھا کہ مجھ کو رخصت کر کے جائیں گی۔ اس بحث اور تکرار میں دس بج گئے۔ رات زیادہ ہو گئی تھی اس لئے مجھے تشویش ہوئی میں نے پھر اصرار کیا اور بعض دوستوں نے بھی سمجھایا۔ آخر خدا خدا کر کے معتمدی راضی ہوئیں اور مجھ سے رخصت ہو کر ٹیکسی میں گھر چلی گئیں۔

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ سعدی ایرانی کی معروف ادیبہ اور شاعرہ ہیں۔ ان کے مقالات اور اشعار وہاں کے ادبی رسائل و مجلات میں شائع ہوتے رہتے ہیں اب آپ بھی ان کے کلام کا نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔ کہتی ہیں:

غزل

من رفتہ ام ز دست ترا بخت یار باد	شادان گلِ وجودِ تو بر شاخسار باد
در گلشنِ حیات مرا برگ و بار نیست	اے نخل بارور! کہ ترا برگ و بار باد
من لالہ ام کہ قسمت من داغ دادہ اند	گو لالہ را بدشتِ جگر داغدار باد
چیزم نیست تا کہ نشانم بپائے دوست	صد ہا ہزار گوہر اشکم نثار باد
غمگین عشوانہ یکہ چو شب روز من گذشت	روز و شبت خجستہ صبح بہار باد

گیارہ بجے ہیں اور اقبال صاحب کرنل ابوالقاسم صدری کے ہمراہ ان کی کار میں ایرپورٹ کے لئے روانہ ہوئے۔ جہاز دو ڈھائی گھنٹہ لیٹ تھا شب کے آخری حصہ میں اڑا اور ۲/۱ ۳ گھنٹہ کی پرواز کے بعد پالم کے ہوائی اڈہ پر پہنچا دیا۔ آج تاریخ ۲۰ مارچ تھی اور گھڑی میں آٹھ بجے کا عمل تھا۔ اس طرح یہ سفر ختم ہوا اور اس کی داستان بھی۔

ایک عام تاثر | آخر میں اس قدر عرض کرنا ضروری ہے کہ اوّل تو ایران میں قیام مختصر ہی رہا اور جتنے دن رہا بھی ان میں مصروفیت رہی۔ پھر اسی زمانہ میں نوروز کی تعطیلات کے باعث یونیورسٹیاں، دوسرے تعلیمی ادارے، حکومت کے دفاتر وغیرہ سب ہی بند تھے۔ اس بنا پر ملک کے اقتصادی، تعلیمی اور سماجی حالات کو تفصیل سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ البتہ ایک مسافر کی حیثیت سے جو کچھ دیکھا اور مختلف حضرات سے گفتگو کر کے جو معلومات حاصل ہوئیں اور وہاں کے اخبارات میں جو چیزیں نظر سے گذریں ان کی روشنی میں یہ بات بے تکلف کہی جا سکتی ہے کہ ایران کی موجودہ حکومت نے عملاً اس عام فکر و خیال کی پرزور تردید کر دی ہے کہ بس جمہوریت ہی ملک کی ترقی، عوام کی فلاح و بہبود اور قوم کی رفاہیت و خوش حالی اور امن و امان کی کفیل اور ضامن ہے۔ کیوں کہ حکومت کی عنان شخصِ واحد کے ہاتھ

جس ہو یا عوام کی نمائندہ ایک جماعت اور پارٹی کے ہاتھ ہیں۔ بہرحال دونوں ہوتے ہیں انسان ہی۔ اور جس طرح ایک شخص اچھا یا برا ہو سکتا ہے اسی طرح ایک پارٹی پر کبھی اچھے اور برے لوگوں کا غلبہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ اگر کسی حکمران پارٹی پر برے لوگوں کا غلبہ ہو جائے تو وہ ملک کے لئے ایک برے شخص واحد کی حکومت سے کہیں زیادہ تباہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔ بہرحال موجودہ شہنشاہ ایران آریہ مہر کے عہد حکومت میں ایران نے ہر اعتبار سے غیر معمولی ترقی کی ہے۔ گذشتہ دس برس میں قومی آمدنی میں حیرت انگیز اضافہ ہوا ہے۔ لوگوں کا معیار زندگی کتنا بلند ہو گیا ہے؟ اس کا اندازہ اس ایک بات سے ہو سکتا ہے کہ پورے ملک کی آبادی دو کروڑ سے بھی کم ہے لیکن اس کے باوجود صرف ایک شہر تہران میں تین لاکھ کے قریب کاریں ہیں اور وہ بھی اعلیٰ اور عمدہ قسم کی۔ شہنشاہ کو سب سے زیادہ توجہ تعلیم کی طرف ہے۔ اس بنا پر ہر صوبہ میں کم از کم ایک مکمل یونیورسٹی ہے اور ہر یونیورسٹی میں ایک شعبۂ دینیات جس کو وہاں الٰہیات کہتے ہیں ایسا ہی ترقی یافتہ ہے جیسے علوم و فنون اور سائنس و ٹکنالوجی کے شعبے۔ طلباء کے لئے کثرت سے وظائف اور ان کی راحت و آسائش کے اعلیٰ انتظامات کے علاوہ اساتذہ اور تحقیق و تصنیف و تالیف کے کاموں کی حوصلہ افزائی کا یہ عالم ہے کہ وہاں پروفیسر کی تنخواہ پانچ ہزار تومان (ایک تومان ہمارے روپے سے کچھ زیادہ ہوتا ہے) سے لے کر چھ ہزار تومان تک ہوتی ہے۔ ریڈر اور لکچرر کی تنخواہوں کو اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک پروفیسر کو پانچ ہزار تومان سالانہ خرید کتب کے لئے ملتے ہیں اور ایک کتاب لکھنے پر پانچ ہزار تومان الگ۔ یہی سبب ہے کہ صرف ایک تہران یونیورسٹی کی طرف سے کم و بیش ایک سو کتابیں سالانہ شائع ہونے کا اوسط ہے۔ پھر کتابیں بھی کس اہتمام سے شائع ہو رہی ہیں اور کیسی کیسی بلند پایہ اور محققانہ کہ سبحان اللہ۔ صلِ علیٰ۔ دیکھئے اور دیکھتے رہئے اور پڑھئے تو دل اور دماغ دونوں روشن، پروفیسروں کے لئے مراعات اور ان کی نگہداشت کی حد یہ ہے کہ جب ایک پروفیسر مدت ملازمت پوری کرنے کے بعد اپنے عہدہ سے سبکدوش ہوتا ہے تو اس کو جو پنشن ملتی ہے وہ اس کی اصل تنخواہ سے بھی زائد ہوتی ہے۔ یعنی چھ ہزار پانچ سو تومان ماہانہ۔ یہی وجوہ ہیں جن کے باعث ایران کا اعلیٰ کر

اعلیٰ تعلیم یافتہ اور قابل شخص ہمارے ملک کے تعلیم یافتہ لوگوں کی طرح نہ امریکہ اور کنڈا کی راہ لیتا ہے اور نہ مشرق وسطیٰ اور افریقہ کے کسی ملک میں پہنچ جانے کی تمنا کرتا ہے۔ بلکہ اپنے ملک میں رہ کر وطن اور ابنائے وطن کی خدمت کو اپنا فرض جانتا ہے۔

ڈسپلن اور قانون کی سخت گیری کا یہ عالم ہے کہ ایک مرتبہ وہاں ایک اخبار میں پڑھا کہ کسی مقام پر چار آدمیوں نے مل کر کسی ایک غیر ملکی شخص کو لوٹ لیا۔ دو مجرم پکڑے گئے۔ مقدمہ چلا اور دونوں کو سزائے موت ہوگئی۔ ایک دن اخبار میں یہ خبر نظر سے گذری کہ مختلف مقامات پر بارہ آدمی اس جرم میں گرفتار کئے گئے کہ وہ پاجامہ (جو لباس شب خوابی کا جز ہے) پہنے ہوئے مکان سے باہر سڑک پر آگئے تھے۔ اور ان لوگوں کو جرمانہ کی سزا دی گئی۔ قانون کی اس سختی کے باعث وہاں مقدمہ کے فیصلہ میں زیادہ دن نہیں لگتے اور حکام میں رشوت ستانی مفقود ہے۔ اگر ہم غور کریں اور سوچیں سمجھیں تو اس میں بہت کچھ عبرت اور نصیحت کا سامان موجود ہے۔

(ختم شد)

حیاتِ عبدالحیؒ

مولانا حکیم سید عبدالحئی صاحب حسنیؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنو) کی سوانح حیات، علمی کمالات، دینی خدمات اور ان کی عربی اور اردو تصنیفات پر مفصل تبصرہ مع ضمیمہ مختصر حالات مولانا مولوی حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء)

مولفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب ندوی مدظلہ العالی۔ کتابت و طباعت اعلیٰ، کاغذ عمدہ سفید سائز متوسط ۲۶×۲۰/۸ قیمت غیر مجلد دس روپے مجلد گیارہ روپے۔

پتہ :- ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی